TAMSAAL

تمثال

Vol 1, Issue 1 Jan-Jun,2022

www.tamsaal.pk tamsaalurdu@gmail.com

ڈاکٹرجبران مسعود قاضی

گورنمنٹ کالج چوٹی زیریں

انیس ناگی جدیدیت کا علم بردار

Dr. Jibran Masood Qazi

Govt College Choti, Zareen

Anis Nagi, the bearer of modernism

Anis Nagi is considered among the representative writers of modernity in Urdu literature. He has a distinct identity as a poet, writer, novelist, fiction writer and critic. Nagy's works fully express his personality. His thinking is slightly different from the public opinion and has an individual status. He has a particular view of literature, a particular way of thinking about life and seems to apply it to his personality and his writings. In general, this individuality of his is taken as a negative tendency of some specific dislikes, but it would be more appropriate to say that the totality of any personality cannot be judged from the ideas presented outside the chronological method. Nor does the energy of the inner thoughts fade away from the severity of the mood. Anis Nagi's temperament and his sharp criticism of contemporary literature have proved to be a hindrance to his recognition. However, it is important to impartially evaluate the mental and intellectual factors of Nagy and determine their status and status. Nagy has expressed his ideas on both creative and critical levels. Thus, his thoughts come before us in theoretical and practical form.

Keywords: , writer, novelist, an individual status,

انیس ناگی اُردو ادب میں‌جدیدیت کے علمبر دار نمائندہ ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ وہ شاعر، ادیب، ناولسٹ، افسانہ نویس اور نقاد کی حیثیت سے اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ناگی کی تخلیقات اُن کی شخصیت کا بھر پور اظہار کرتی ہیں۔ اُن کی سوچ رائے عامہ سے قدرے ہٹ کر انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ ادب کے بارے میں اُن کا خاص نظریہ ہے، زندگی کے بارے میں ایک خاص انداز سے سوچتے ہیں اور اس کا اطلاق اپنی شخصیت اور اپنی تحریروں میں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عام طور پر اُن کی اس انفرادیت کو منفی رجحان کے طور پر لیا جاتا ہے چند مخصوص نا پسندیدہ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ روشِ زمانی سے ہٹ کر پیش کیے جانےوالے خیالات سے کسی بھی شخصیت کی کلیت کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مزاج کی درشتی سے باطنی خیالات کی توانائی‌زائل ہوتی ہے۔ انیس ناگی کا مزاج اور اُن کی معاصر ادب پر کڑی تنقید اُن کی شناخت کروانے میں رکاوٹ ثابت ہوئی ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ غیر جانبداری سے ناگی کے ذہنی و فکری عوامل کا جائزہ‌لیا جائے اور اُن کے مقام و مرتبے کا تعین کیا جائے۔ ناگی نے اپنے خیالات کا اظہار تخلیقی وتنقیدی ہر دوسطح پر کیا ہے۔ یوں اُن کے افکار نظری اور عملی صورت میں ہمارےسامنے آتے ہیں ۔ اُن کے پاس تخلیقی صلاحیت بھی ہے اور اُس کے لیےایک مخصوص فریم بھی ہے۔ اُردو ادب میں یہی اُن کی شناخت ہے۔ ناگی ادب، زندگی اور ادیب کے تعلق سے بھی واقف ہیں اور فکری سطح پر ان کے ارتباط کے لیے بھی ایک نئےزاویے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مشرقی و مغربی ادب کے گہرے

مطالعے نے اُن کی فکر کو متاثر کیا اور ان کے ملے جلے اثرات اُن کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ ادیب اُن کی نظر میں ایک خاص قسم کا دانشور ہے، ادب کا ایک مخصوص مقصد ہے، ادیب کی کچھ سماجی ذمہ داریاں ہیں۔ ادب کی تہذیبی روح کو توانائی بخشنے کے لیے کن کن وسیلوں سے کام لینا ضروری ہے یہ سب اُمور اُن کے پیشِ نظر ہیں۔ وہ تخلیق اور تنقید کی گھمبیرتا سے گزرے بھی اور رہنمائی بھی کی۔ ضروری ہے کہ اُن کے ان تصورات کو اصولی سطح پر تنقیدات میں اور عملی سطح پر تخلیقات میں پرکھا جائے تاکہ ان کی فکر کو زیادہ واضح کیا جاسکے۔ ہمارے ہاں عام طور پر ادیب اور دانشور کے الفاظ اکٹھے ملتے ہیں۔ اس صورت میں ہر ادیب، دانشور اور ہر دانشور ادیب کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ بقول انیس ناگی ہر دانشور ادیب ہوتا ہے اور نہ ہر ادیب دانشور ناگی دانشور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"دانشور وہ ہے جو تصورات کی تخلیق کرتا ہے یا وہ تصورات جو معاشرے کی فکری زندگی میں موجود ہوتے ہیں، ان کی تشریح کے ذریعے نئے تصورات کی تولید کے لیے فضا پیدا کرتا ہے، نئے استفسارات پیدا کرتا ہے، نئے تناقضات کی نشاندہی کرتا ہے، لیکن ہر صورت میں اپنی طرفداری کا اعلان کرتا ہے۔"[1] معاشرے کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے دانشور ہی بنیادی کردار ادا کرتا ہے مگر ہمارے دانشور زندگی کے ٹھوس مسائل کا حل مابعد الطبیعات میں تلاش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں سماجی مسائل کا حل ٹھوس بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ مہارتِ خصوصی کے اس دور میں سماجی بہبود فکری اور عملی دونوں سطحوں پر کام کرنے سے ممکن ہے۔ ناگی دانشوروں کو بنیادی طور پر دو اقسام میں دیکھتے ہیں اولاً فکری دانشور جو اپنا جذباتی اور تصوراتی اظہار فنون کی صورت میں کرتے ہیں۔ ثانیاً عملی دانشور ان سے مراد پروفیسرز، انجینئرز اور ڈاکٹرز وغیرہ ہیں۔ یورپ کا صنعتی انقلاب تقریباً اسی فکر کا زائیدہ تھا۔ خیال کی طاقت سے عمل کو ترغیب ملتی ہے جس سے معاشرے کے مسائل کے حل کی طرف پیش قدمی ہوتی ہے۔ دانشور کا منصب یہ ہے کہ تصورات سے وابستہ رہے اور طبقاتی وابستگی سے دور رہ کر حالات کا جائزہ لے جس میں غیر جانبداری کا عصر غالب رہنا چاہئے خاص طور پر تیسری دنیا کے دانشور جو مقتدر طبقے سے وابستگی کے سبب تصوراتی سطح پر اپنے مسائل حل کرنے میں ناکام ہیں۔ بقول ناگی ہمارے نام نہاد دانشور تصور کی بات کرنے کی بجائے عمومی بیانات کو ترجیح دے کر دینی گریز کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کسی حالت، واقعہ یا صورت حال کا ادراک تصور کے طور پر کرنے کا مقصد اسے ایک خصوصی سیاق وسباق میں منظم کر کے اس کی وضاحت کرنا ہے۔ یہ سوچ کے عمل کا آغاز ہے اور ہر سوچ کا آغاز معاشرتی تموجات سے ہوتا ہے۔ یہ وہ صحیح ہے جو دانشور کو کوئی نہ کوئی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ہمارے دانشور کسی پوزیشن کے بغیر ہیں۔ دانشور کا کام یہ نہیں کہ مسائل میں گھرے معاشرے کے اندر رہ کر حل تلاش کرے کیونکہ اس طرح نہ تو مسائل کا مکمل ادراک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اُس کا مؤثر حل تلاش کیا جاسکتا ہے اس لیے دانشور کو جدید خیالات کے ساتھ معروضی حالات کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ نئے دانشور کے بارے میں اُن کا کہنا ہے :

"نیا دانشور وہ ہے جو اپنے تصور کی پرورش تقضاد سے کرتا ہے، جو اپنا استدلال اتفاق کے بجائے اختلاف سے پیدا کر کے معاشرے کے تضاد کو حل کر کے پراکسی پیدا کرتا ہے۔ جو دانشور ہر ایک چیز سے متفق ہے، وہ نہ تو نئے تصورات کا اہتمام کر سکتا ہے اور نہ معاشرے کی فکری زندگی کی کسی نئی شرح کا حوصلہ رکھتا ہے۔"[2]

ہم اپنے مسائل کے حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں رہے اس کی بنیادی وجہ ہمارے دانشوروں کا طریق فکر ہے جو مسائل کے حل کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہم ماضی کی روایت سے مضبوط رشتہ قائم نہیں کر سکے اور نہ ہی ہمارے ذرائع ابلاغ مدنی ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں تخلیقی فنون بھی اس مقصد کے حصول کے لیے کامیابی حاصل نہ کر سکے کیونکہ دو محض حالات کی تجریدی تصویر کاری کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد ہمارے دانشور ادیبوں کا وہ رویہ ہے جس میں اختلاف کے بجائے اتفاق، استدلال کے بجائے جذباتی لگاؤ اور غیر جانبداری کے بجائے مقتدر طبقہ سے وابستگی شامل ہے۔ ناگی کے خیال میں :

"جو ادیب تصور اور جذبہ کے ذریعے استدلال نہیں کرتے اور جو اپنی موجودہ صورت حال سے گریز کر کے مبہم شاعرانہ اور ادیبانہ ہیر پھیر کے ذریعے تخلیق میں مصروف ہیں وہ یا تو اپنے نفسیاتی عارضوں کے اظہار میں مصروف ہیں یا وہ Entertainer ہیں، دانشور نہیں ہیں۔"[3]

انیس ناگی وجودی نظریات سے متاثر ہونے کے باوجود کرکیگارین سوچ سے مکمل اتفاق نہیں رکھتے کیوں کہ کرکیگارڈ کا تصور وجود خدا سے ایک شخصی مکالمہ کے مترادف ہے۔ یہ تصویر وجود فرد کے باطنی خدشات کو تو شاید مطمئن کرتا ہو لیکن یہ اس کی وسیع تر معروضیت کے بارے میں کسی تصویر کا اظہار نہیں کرتا۔ ادیب یا دانشور کا کام صوفی کے کام سے الگ نوعیت کا ہے اس لیے انداز نظر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ناگی کے خیال میں معاصر ادیب دانشورانہ نظر سے عاری ہیں جس کی وجہ سے ہمارا ادب معاشرے سے کٹ کر رہ گیا ہے۔ اس سلسلے میں مقتدر طبقے سے وابستگی غیر جانبداری

اور سستی شہرت نے ادیب کو دانشور کی سطح پر آنے سے روکا۔ یہی ہمارے عہد کے ادیب کا المیہ ہے۔ ناگی اپنے مضمون ادیب کی سماجی ذمہ داریاں میں لکھتے ہیں :

"ادیب اور ایک عام آدمی میں فرق یہ ہے کہ ایک عام آدمی زمانے کی رو میں جلدی بہہ جاتا ہے اور ہر بات اور فعل کو دنیوی سود و زیاں کے حوالے سے پر رکھتا ہے۔ ادیب تو خالق ہوتا ہے جس کے قول و فعل میں یگانگت ضروری ہے، وگرنہ اس کا ادب ایک فنی منافقت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ "۴

ہمارے ادیب اپنی انفرادیت اور شناخت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مفاہمتی رویہ رکھتے ہوئے حیات گریز ادب تخلیق کرتے ہیں۔ پاکستانی ادیب کا فرض ہے کہ معاشرے میں کار فرمامنفی قوتوں کی نشاندہی کرے اور تحریری سطح پر مقاومت کی فضاپیدا کرے۔ ہمارے ادیبوں کی تحریروں میں پاکستانی معاشرے کی حجریت نا پید ہے اور تجریدی تصورات اس کی جگہ کارفرما ہیں اور یہ سب کچھ دانستہ ہورہا ہے جو مسائل کے حل سے گریز کی ایک صورت ہے۔ ناگی کے نزدیک تخلیق ادب محض ذہنی ورزش یا حصول مسرت کا ایک ذریعہ ہی نہیں ہے ادب تو اپنی ذات سے آگے نکل کہ تخلیق ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ادیب کی شناخت اس کی تخلیقات ہوتی ہیں لیکن ادب کو معاشرے سے الگ کر کے دیکھنا ، ادیب اور معاشرے دونوں کی شناخت کو گم کرنے کے مترادف ہے۔ ناگی ادب کے بارے میں اپنے مضمون" ادب اور تہذیبی جمود میں لکھتے ہیں :

"ادب کی تخلیق ایک معاشرتی عمل ہے اور اس کے محرکات فنکار کی ذات کے حوالے سے اس کی معاشرت میں موجود ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کو ایک روحانی اور خیالی تجربہ تصور کرنے کی بجائے اس کا ادراک ایک تضاد کے طور پر کرتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں، جیسی کہ ہماری ہے، اس کے لیے خام مواد ہے۔"۵

پاکستانی ادیب مصلحتوں کا شکار ہیں اور اپنے سماجی منصب سے اغماض برت رہے ہیں۔ پاکستانی کلچر کی شناخت اس وقت ایک مسئلے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے لیکن ادیبوں کی توجہ اس مسئلے کے حل کی طرف حوصلہ افزاء نہیں ہے۔ ناگی نے اُن تمام سرکاری اور ادبی اداروں پر کڑی تنقید کی ہے جن کا مقصد اقربا پروری اور مقتدر طبقے کی پروپیگنڈہ مشینری کے ہم نوا پیدا کرنا ہے۔ ادیبوں کے اس طرز عمل کے علاوہ قاری کا مسئلہ بھی اُن کے پیش نظر رہا ہے۔ بقول اُن کے پاکستانی معاشرے کا قاری کاہل ہے اور بنے بنائے اصولوں اور قاعدوں کو پڑھنے کا عادی ہے۔ ہرنئی چیز سے بھاگتا ہے اور روایت میں پناہ لیتا ہے۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ جدیدیت کی طرف قدم بڑھایا جائے ۔ ادب کا دیگر علوم کے ساتھ رشتہ استوار کیا جائے ، نئے نئے تصورات کو اپنے ادب میں شامل کیا جائے تا کہ عالمی ادب میں اس کی شناخت ممکن ہو سکے ۔ یوں اگر بحیثیت مجموعی ناگی کے نظریات کو دیکھا جائے تو نا گی ادب اور معاشرے کے تعلق سے آگاہ ہی نہیں ان کے لیے نئی فکر بھی فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے ادب کے مجموعی تاثر کا مغربی ادب کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ ہمارے ادیب کی ذمہ داریوں اور اُس کی مجبوری کا حقیقت پسندانہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے سماج کے مجموعی مزاج کا سراغ لگاتے ہیں اور ادیب کی محرومی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وہ سماج جو صرف تحکم اور تعلق کی زبان سمجھتا ہے اُسے محبت کی زبان سمجھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا معاشرتی ڈھانچہ افادیت کے سطحی تصویر پر استوار ہے ہم اس کی تکریم کرتے ہیں جو ہمیں نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے ، ہم اُسے پامال کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں جو ہمارے کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے میں جہاں علم و ہنر کی تحسین کا ذائقہ نہ ہو، جہاں تعلیمی نصابوں کا معاصر زندگی کی افتاد سے کوئی علاقہ نہ ہو، جہاں پسینہ بہا کر بھی ایک کے لیے معیشت کمانے کے مساوی امکان نہ ہوں وہاں ادیب کا پُرسانِ حال کون ہے؟ ۔"٦

انیس ناگی ادب کے بارے میں ایک مربوط فکر رکھتے ہیں۔ ادب کو معاشرے کی فکری اور تصوراتی تعمیر کے لیےاستعمال کرنا چاہتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ معاشرے کی حجریت کو بیان کرنے کے متقاضی ہیں۔

انتظار حسین اور اسی قبیل کے دوسرے ادیبوں سے اُن کو یہی گلہ ہے کہ وہ معاشرے کو ماضی کے دھندلکوں کی طرف لے کر جاتے ہیں جب کہ ترقی کا زینہ حال اور منزل مستقبل ہے جس کے لیے آگے کی جانب قدم بڑھانا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے ناگی نے اپنی فکر کا دھارا مغربی

ادب کی طرف موڑا اور مغرب کے فلاسفہ، ماہرین نفسیات ولسانیات اور ادیوں سے کسب فیض کرنے کی کوشش کی اُن کے مطابق معاشرے میں اقبال پہلا اور آخری فلسفی دانشور تھا اس کے بعد فکری سطح پر تو انا شخصیت سامنے نہیں آئی۔ مغربی ادب کی جدید تحریکوں سے اُن کو گہر اشغف رہا۔ جس کے اثرات اُن کی تخلیقات میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ ناگی نے مغربی ادب کا مطالعہ ژرف نگاہی سے کیا جس کی بدولت اردو ادب کو نئے زاویوں سے دیکھنے کا رجحان پروان چڑھا۔ ہماری ادبی روایت نے جمود کو توڑنے کے لیے فکر فراہم کی ۔ ادب، ادیب اور معاشرے کی مغربی روایت کو پیش نظر رکھ کر اُس سے اپنے ادب کو ثروت مند بنانے کا سامان کیا۔ساختیات، پس ساختیات کے اسلوب کو ادب کی تفہیم کے لیے جدید طریقہ تنقید فراہم کیا، حقیقت نگاری اور نئی حقیقت نگاری کے مباحث کو ادیب کے سامنے رکھا اور بتایا کہ ہمارے عصری تقاضے کیا ہیں اور ہمیں کس نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ نئی حقیقت نگاری، حقیقت نگاری کے سپاٹ اُسلوب سے اگلا قدم ہے جو نفسیاتی عناصر کے ساتھ حقیقت کو پیش کرنے کا جدید اسلوب ہے۔ ناگی نئی حقیقت نگاری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" نئی حقیقت پسندی انسان کی داخلیت اور وہ قوتیں جو اس کی زندگی کی پشت پناہی کرتی ہیں یا اُسے ایک خاص سطح پر سوچنے اور عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اُن کا ادراک متصورہ خارجی حقائق کے طور پر کرتی ہیں۔ چنانچہ نئے حقیقت نگارانسان اور اس کی خارجیت میں ایک داخلی ربط استوار کرتے ہیں جس سے ظاہر و باطن متصل ہو جاتے ہیں۔"۷

انیس ناگی کے افسانوں میں ہمیں نئی حقیقت نگاری کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں اُن کے بیشتر افسانے اُن کی داخلی واردات کو پیش کرتے ہیں۔ جس سے اُن کی داخلی دنیا اور خارجی حالات متصل ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ نئی حقیقت نگاری سے کافکا، کامیو اور سارتر وغیرہ نے اپنے ناولوں میں کام لیا جن سے ناگی نے اثرات قبول کیے۔ مغربی ادب کے مطالعے کے دوران ناگی دوستوفسکی ، چارلس ڈکنز ، ژولا وغیرہ کی تحریروں سے خاص طور پر متاثر ہوئے ۔ ان ادیبوں نے ادب کی کلاسیکی اور رومانی روایت سے شعوری طور پر اغماض برتا اور اُس کو فلسفیانہ، ادبی اور جمالیاتی بنیادیں فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ ناگی پاکستانی ادب میں بھی اس قسم کی تبدیلی کے خواہش مند تھے اور روایت کی اندھی تقلید کو حیات گریز رویہ تسلیم کرتے تھے۔ جدید علوم و فنون کی موجودگی میں خیالی دنیا میں مسائل کے حل تلاش کرنے کو غیر موزوں اور غیر موثر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اگر پاکستانی ادیب دنیا کی ادب میں اپنی شناخت چاہتا ہے تو اُسے اپنی تحریروں میں پاکستانی معاشرے کا رنگ ولہو شامل کرنا ہوگا۔ اپنی تخلیقات میں از منہ رفتہ کے تہذیبی شکوہ پر اصرار کرنے کے بجائے مستقبل کے عظیم پاکستانی معاشرے کی فکری اساس مہیا کرنی ہوگی ۔"۸

ناگی کی ادب کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی خواہش بجا، مگر از منہ رفتہ کا تہذیبی شکوہ کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ بھی قوم ہوتا ہے۔ تاریخ کسی بھی قوم کا دماغ ہوتی ہے، جو مستقبل کے لیے سوچنے سمجھنے اور سابقہ تجربات کی روشنی میں فیصلہ سازی کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے۔ مسدس حالی ، شکوہ، جواب شکوہ طلوع اسلام اور اس قبیل کا ہمارا ادب جس تا ثریت کا حامل ہے۔ اس کے لیے شاندار، ماضی سے توانائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ محض حال سے مستقبل کے فیصلے دانشمندی نہیں ہے بلکہ تاریخ اس کے لیے بہت سے حل فراہم کرتی ہے ۔ تکرار محض بھی درست نہیں ہے۔ جن واقعات وخیالات کو فنکارانہ چابکدستی اور کامل تاثریت کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے۔ اُن کی غیر موثر تکرار یقینا بے سود ہے اور صرف ماضی میں کھویا رہنا

بھی مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا۔ ضروری ہے کہ معاصر حالات کا تاریخی شعور کے ساتھ جائزہ لیا جائے تا کہ خاطرخواہ نتائج برآمد کیے جاسکیں۔ انہیں ناگی ادب میں جدیدیت کے علمبردار تھے۔ جدیدیت سے اُن کی مراد ادب کے سانچے اور فکر دونوں میں تبدیلی ہے۔ اپنے مضمون ۱۹۶۰ کی نئے ادب کی تحریک اور جدیدیت میں جدیدیت کی وضاحت یوں کرتے ہیں: "یہاں نئے ادب سے میری مراد وہ شاعری، فکشن اور تنقید ہے جو ۱۹۶۰ء کے بعد لکھی گئی۔ نئی شاعری یا نیا ادب ان معانی میں کوئی باقاعدہ تحریک نہیں تھی کہ اس کا مینیفیسٹو لکھا جاتا اور اس کی ممبر شپ قائم کی

جاتی ، یہ اس عہد کے ہم خیال نو جوانوں کا اجتماع تھا جو ادب میں بنیادی تغیرات کے متمنی تھے، جو مروجہ ادبی زبان، اس کی ہیئتوں اور اس کے اظہار کے اسالیب میں تغیر چاہتے تھے۔ "۹

ناگی کی نظم ونثر میں ہمیں مذکورہ بالا جدیدیت کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ جدیدیت کی یہ اہر مغربی فکشن کے تراجم کے زیر اثر اردو ادب میں پروان چڑھی۔ یہ نیا رجحان ہماری زمین میں تاحال اپنی جگہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکا بلکہ مشرق کا روایت پسند مزاج بھی اس کے فروغ میں رکاوٹ ثابت ہو۔ تا ہم فکری سطح پر جدیدیت نے مؤثر ابلاغ نہیں کیا، جس سے اس رجحان کو عملی سطح پر سراہا نہیں گیا۔ ناگی کی تنقیدات بھی اسی فکر کا نتیجہ ہیں۔ اُن کا تنقیدی اسلوب بھی مروجہ اسلوب سے مختلف ہے۔ اپنے تنقیدی طریقہ کار کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

"میں روز اول سے معروضی تنقید پر یقین رکھتا ہوں اور ہر تحریر کو اس کے معاصر تناظر میں پڑھتا ہوں۔ یہ بات معاصر ادبی فضاء میں پسند نہیں کی جاتی کیونکہ ہر ادیب دوسرے کا قصیدہ لکھنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ تبصرے اردو تنقید میں قصیدہ نویسی کی روایت سے انحراف ہیں۔"۱۰

انیس ناگی نے ادب کا سنجیدگی اور گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اس گہرے مطالعے کا نتیجہ روایت سے انحراف کی صورت میں نکلا۔ روایت سے انحراف در حقیقت روایت کے گہرے مشاہدے کا مظہر ہے۔ مغربی ادب کے مثبت رجحانات نے اُن کی فکر کو فلسفیانہ اور نفسیاتی بنیاد میں فراہم کیں۔ مشرق و مغرب کی جدید ادبی تحریکوں کے اثرات اُن کے ذہن پر مرتسم ہوئے۔ یہی عناصر مل کر اُن کی شخصیت کا حصہ بنے۔ اُن کی شخصیت ادبی دنیا میں تنہا مگر ایک نئے زوایہ نگاہ کی نمائندہ ہے۔ فنکار کو عام آدمی سے مختلف ہونا چاہئے ۔ ایک بڑا ادیب بننے کے لیے اپنی ذاتی خواہشات کے چنگل سے نکلنا ضروری ہے۔ کیونکہ فن کار جب اپنے فن کو ذریعہ معاش بنا لیتا ہے تو اس کے اندر کا تخلیق کارفنا ہو جاتا ہے اور وہ بھی دوسروں کے ساتھ حصول زر اور مادیت کی دوڑ میں شامل ہو کر عام انسان ہو جاتا ہے۔ وہ شہرت تو حاصل کرلیتا ہے مگر حقیقی معنوں میں ادب میں کسی اضافے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے قول و فعل میں تضاد بھی اس کی تخلیقی قوت کو متاثر کرتا ہے۔ ایک ادیب اس وقت تک اعلیٰ ادب تخلیق نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی روایت کو جانچنے اور پر کھنے کے بعد اس میں نئے نظریات شامل نہ کرلے۔ اگر روایت کو من و عن بیان کر دیا جائے اور اسے زمانہ حال سے نہ جوڑا جائے تو ادب جمود کا شکار ہو جاتا ہے ادب میں نئی سمتوں کا تعین ادیب کی اہم ذمہ داری ہے۔ انیس ناگی کی فکر اور تنقید اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ ادب ایسا ہو جسے ادیب

اپنی ذاتی منفعت سے ہٹ کر ماضی اور حال کو متصل کر کے معاشرے کے سامنے لائے اور ادیب کے قول و فعل میں مطابقت

ہو۔ پاپولر ادب پر سنجیدہ ادب کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ہماری عملی زندگی جو کچھ ہے اور جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں، اس میں ایک بڑا بعد ہے۔ ہمارے بیشتر اد یہ لمحہ موجود کے ٹائم فریم سے باہر ہیں وہ سنجیدہ ادب کی بجائے پاپولر ادب لکھتے ہیں کہ اس میں پیسے اور شہرت دونوں کے ملنے کا امکان ہے.اپنی صورت حال کی تعمیر کرنا ایک شعوری عمل ہے۔ جس میں بہت کچھ کور کرنا پڑتا ہے، مسلمات میں ترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہمارے کم وبیش سارے ادیب روایت کے تصور میں الجھے ہوئے ، سب جوں کے توں صورت حال کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، ادبی اور معاشرتی اقدار کو موجودہ عہد سے متصل کر کے ان کی Revelance پر غور نہیں کرتے ، ہمارا روایت کا تصور بھی ایک بچے کا سا ہے ۔"۱۱

جدید عہد کے ادیب کی ذہنی صورت حال کے بیان سے انیس ناگی نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے معاشرے میں دو گلا پن اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ ادیب بھی اس سے محفوظ نہیں ہے اب وہ وہی کچھ لکھتا ہے جس سے اس کو شہرت ملے ، وہ اپنی ذاتی سطح سے اوپر اٹھ کر قلم اٹھانے کا متحمل نہیں ہے اور لکیر کا فقیر بن چکا ہے، اعلیٰ ادب کے فقدان کی اہم وجہ ادیب کا ذاتی ضروریات زندگی کی خاطر قلم بیچ دینا ہے اور اسی لیے ادب جمود کا شکار ہو چکا ہے۔ انیس ناگی کا مغربی ادب کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ کلاسیکی فکشن کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے فکشن پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے دوستوفسکی ، آندرے، کامیو اور کافکا جیسے ادیبوں کے نظریات کو اپنی تحریروں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔فن افسانہ نگاری کے بارے میں ان کے مخصوص نظریات ہیں جن کے تحت وہ اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں کی تخلیقات کو پر کھتے ہیں۔ ان کا

نقطہ نظر یہ ہے کہ افسانہ نگار جدیدیت کا قائل ہو اور وہ مسلمات پر آنکھیں بند کر کے عمل پیرا نہ ہو بلکہ کھلے دماغ سے روایت کو پر کھلے اور عہدِ حاضر کے ساتھ اسے مربوط کر دے ۔ اُردو افسانہ میں جدیدیت کے حوالے سے انیس ناگی نے لکھا، وہ افسانوں میں تخیل اور حقیقت کا امتزاج چاہتے ہیں۔ موضوعات نئے ہوں ، نہ کہ گھسے پٹے ۔ خطابت کا عصر کہانی کا تاثر ختم کر دیتا ہے اور افسانہ نگار محض ایک مبلغ اور مصلح کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کہانی کہنے والا تقریر نہ کرے بلکہ اس کے بیان میں اتنی قوت ہو جو قاری پر اپنا تاثر قائم کر سکے، واقعات میں تسلسل اور ربط ہو ،شب وروز کا بیان ہو اور افسانہ نگار افسانہ کو من و عن بیان کرنے کی بجائے اپنی فکری قوت سے اس میں رنگ بھر دے۔ انیس ناگی کی تنقیدی فہرست میں ، جن افسانہ نگاروں کے نام شامل ہیں ان میں انتظار حسین، منشاء یاد سمیع آہو جا، نصرت علی اور آصف فرخی ،، شامل ہیں۔ وہ اپنے معاصر ادیبوں کی تحریروں سے بہت کم متاثر ہیں۔ انتظار حسین کے افسانوی مجموعہ خالی پنجرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"انتظار حسین کا مسئلہ موضوعاتی قلت ہے جس کا وہ کافی عرصہ سے شکار ہیں۔ انتظار حسین روشن دماغ ہیں۔ اپنے کالموں میں کبھی کبھی وہ بصارت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے افسانوں میں ڈپٹی نذیر احمد بن جاتے ہیں کہ دنیا کا چہرا بے شک بدلے نہ ۱۲ پر میں نہ مانوں."۱۲

کچھ اس قسم کی رائے منشایاد کے افسانوی مجموعہ ’’ دور سے ‘‘کے بارے میں دیتے ہیں :

"منشایاد ابھی تک اپنے افسانوں میں دیہی حساسیت اور شہری کلچر پیوند کرتے رہے ہیں۔منشا یاد نے حقیقت اور عدم حقیقت کے امتزاج سے اچھی کہانیاں لکھی تھیں ، نئی زندگی ، نئے تعلقات اور ان کے درمیان جذباتی گھبراہٹ ان کا موضوع رہے ہیں ۔اس افسانوی مجموعہ میں انھوں نے اس اسلوب کو ترک کر کے براہِ راست حقیقت نگاری کے اسلوب کو اپنایا ہے۔ انھوں نے ہماری شہری اور دیہی زندگی کا جو اسلوب پیش کیا ہے، وہ پیش پا افتادہ ہے۔ "۱۳

سمیع آہو جا کے افسانوی مجموعہ ’’ جہنم میں کے متعلق انیس ناگی یوں رقمطراز ہیں :

"تشدد ظلم ، آزادی کی خواہش، خون کے رشتوں کا قتل عام اور بدلہ لینے کی تمنا سمیع آہو جا کے افسانوں کا بنیادی موضوع ہیں۔ وہ براہِ راست بیان سے گریز کرتا ہے۔ اس کے افسانے ایک غیر معمولی فارمیٹ میں لکھے گئے ہیں کیونکہ ان میں شامل جذباتی تمثالوں سے بار بار کہانی کی طرف جانا پڑتا ہے۔ وہ زبان کے intensive کے ذریعے کٹی پھٹی تصویر میں بناتا ہے جو ایک دوسرے میں الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔"۱۴

نصرت علی کے پہلے افسانوی مجموعے خواب اور پتنگ کو انیس ناگی اُردو افسانے میں ایک تازہ ہوا کا جھونکا ۔

نصرت علی کی بیشتر کہانیاں ملازم طبقے کے شب و روز کے بارے میں ہیں ۔ بیشتر کہانیاں ایسی ہیں جنہیں رویے کی تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہانیاں کہاجا سکتا ہے۔ "۱۵

آصف فرخی کے ہیں افسانوں پر مشتمل شہر بیتی ‘‘کے عنوان سے شائع ہونے والے افسانوی مجموعہ کے بارے میں انیس ناگی کا کہنا ہے :

"یوں لگتا ہے کہ آصف فرخی نے ان افسانوں کو عجلت میں لکھا ہے اور ان میں صحافت کا عنصر زیادہ اور افسانہ کم لکھا ہے۔"۱۶ انیس ناگی اپنے ہم عصر ادیبوں کے بارے میں نہایت تند لہجے میں تنقید کرتے ہیں اور تنقید کے دو پہلو محاسن اور معائب میں سے صرف مؤخر الذکر پہلو سے کام لیتے ہیں۔ اگر بے لاگ تجزیہ کرنا نقاد کا حق ہے تو پھر تجزیہ نگار کو حق بجانب بھی ہونا چاہیے۔ وہ دوسرے ادیبوں کے فن پاروں کے معائب تو بے دھڑک بیان کرتے ہیں مگر محاسن کا ذکر خال خال ہی کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ہر نقاد کا حق ہے کہ وہ تنقید کے اصولوں کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کے افسانوں کوانھی کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں پر کھتے ہیں کہ وہ خود ان اصولوں پر کس حد تک کار بندر ہے اور انھوں نے روایت سے ہٹ کر اُردو افسانے میں کیا جدت پیداکی۔ ان کی تنقید سے متعلق سلیم شہزاد لکھتے ہیں :

"انیس کی اس تنقید کو اس کےاپنے افسانوں کی پیش بندی بھی کہا جا سکتا ہے۔"۱۷

انیس ناگی نےنئے اُردو افسانے کے اس تناظر میںانیس ناگی نے خود افسانے لکھنے کی بجائے پہلے نئے افسانے کی تصوراتی فارمولیشن کی اور مغرب کے ان افسانہ نویسوں کی تکنیکوں کا بھی سیر حاصل جائزہ لیا جنہوں نے اُردوافسانے کو متاثر کیا۔

حوالہ جات

۱۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۱

۲۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۴

۳۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۲

۴۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۶۳

۵۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۳۲

۶۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۵۹

۷۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۱۱۶

۸۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۷۸

۹۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۱۸۰

۱۰۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۶۰

۱۱۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۷۰

۱۲۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۰

۱۳۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۲

۱۴۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۴

۱۵۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۶

۱۶۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۲۹

۱۷۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تشکیلات، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص۶۰